مکرر ارشاد

(مزاحیہ کلام)



مکرر ارشاد

برق آشیانوی

ادارۂ مطبوعات زندہ دلان

حیدرآباد

اشاعت ____ ۱۹۷۴ء
تعداد ____ ایک ہزار

قیمت
چار روپے

★

ناشر
زندہ دلانِ حیدرآباد ۲۷ مجرد گاہ، معظم جاہی مارکٹ حیدرآباد ۱
فون: (۲۰۱۵۱۵)

★

سرورق: سید نصرت آرکیٹکٹ
کتابت: محمد غالب
طباعت: نیشنل فائن پرنٹنگ پریس چارکمان، حیدرآباد ۲
طباعت سرورق: انتخاب پریس

★

ابتدائی صفحات: سلام خوشنویس

★

ملنے کے پتے
دفتر زندہ دلانِ حیدرآباد ۲۷ مجرد گاہ معظم جاہی مارکٹ، حیدرآباد ۱
ادبی ٹرسٹ بک ڈپو، کنارا بینک بلڈنگ، عابد روڈ، حیدرآباد ۱

★

مصنف
۳۵۶-۵-۱ مشیرآباد، حیدرآباد ۲۰

دِلّی کے مشاعرے میں فن کے اُستاد
موجود تھے کچھ شعر و سخن کے نقّاد
سُن کر ترا اندازِ تکلّم اے برقؔ!
بے ساختہ فرمایا "مکرّر ارشاد"

سلام مچھلی شہری مرحوم

کے نام

جن کی حوصلہ افزائی اِس کتاب

کی اِشاعت کا سبب بنی

ترتیب

تعارف

از

علامہ حیرتؔ بدایونی

اللہ کی حمد، رسول کی نعت، صحابہ، اہلِ بیت اور اولیائے صالحین کی منقبت کے بعد اب میں ایک حیدرآبادی شاعر کے کلامِ ظرافت نظام پر قلم برداشتہ کچھ لکھتا ہوں، بہتر ہے کہ شاعری سے پہلے کچھ شاعر کا بھی تعارف کرا دیا جائے۔ دکن میں تو یہ محتاجِ تعارف نہیں ہیں۔ ویسے دہلی میں بھی مشاعرہ پڑھ کر چھینٹیں تو نہیں مگر شامیانے اُڑا کر آئے ہیں۔ لیکن باہر کے اور دکن کے کئی لوگ پھر بھی ان سے واقف نہیں ہوں گے۔ تو سنئے یہ متضاد صفات کی شخصیت ہیں۔ ان کا نام ہے سید موسٰی کلیمؔ، چہرہ مہرہ، لباس و عمر وغیرہ تو آپ ان کی تصویر میں ہی دیکھ لیجیے لہٰذا ابرایا دیکھنے کی ضرورت نہیں۔ اخلاقی اعتبار سے نہایت بلکہ ضرورت سے زیادہ سنجیدہ، مہذب، اور حیدرآبادی قدیم تکلفات کی ایک جیتی جاگتی تاریخ و تصویر، یعنی چائے، پان وغیرہ پیش کیجیے تو نیم قد اٹھ کر جھک کر سلام کریں گے آدھے گھنٹے کی ملاقات میں دس بارہ سلام خرچ کر دینا معمولی بات ہے۔ یہ ان کی

عادتِ ثانیہ ہے۔ گویا ہوش سنبھالتے ہی انہوں نے ایسے ہی پر تکلف ماحول میں تربیت پائی ہے۔

ان کا قبیلہ یعنی خاندان، یداللّٰہی ہے۔ یداللہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا لقب تھا۔ پھر ان کے آبا و اجداد میں بھی جو سادات کرام ہیں ایک بزرگ کا نام سید یداللہ ہے۔ شہرتاً و مذہباً یہ مہدوی بلکہ مہدویوں میں بھی مرشدوں کے خاندان سے ہیں۔ اس لئے اپنی جماعت میں بھی نہایت ہی عزت و احترام سے دیکھے جاتے ہیں۔ صوم و صلوٰۃ کے پابند، متقی، خلیق منکسر المزاج اور سادہ لوح ہیں۔ لیکن ان کے زہد و تقویٰ سے مرکب جسم کے اندر طنز و مزاح، ظرافت و لطافت کی ایک تڑپتی چمکتی تجلی کارفرما ہے۔ جس نے ان کو شاعر بنا کر چھوڑا۔

حالات اور ماحول، علم و تربیت، خاندانی روایات کا تقاضہ تو یہ تھا کہ مجتہد و عالم نظر آتے مگر قدرت نے ان سے یہی تبلیغی کام واعظ بنا کر نہیں بلکہ شاعر بنا کر لیا ہے۔ واعظ و رہنما بن کر منبر پر آتے تو لوگ کہتے ؎

واعظاں کیں جلوہ بر محراب و منبر می کنند
چوں بہ خلوت می روند آں کار دیگر می کنند

لیکن شاعر بن کر جب میدان میں آتے ہیں تو لوگ ان کو آسمان پر چڑھا دیتے ہیں۔ شاعر کے لئے مبلّغ ایک عدد تخلص بھی ہونا ضروری ہے۔ اگر تخلص نہ ہو تو دنیا کہے گی یہ شاعر واعر کچھ نہیں ہیں، کچھ روپے دے کر دوسروں سے لکھواتے ہیں اور مشاعرے لوٹتے ہیں جیسا کہ آج کل شعرائے متخلصین بھی کر رہے ہیں

دس دس روپے میں خریدی غزل سے سیکڑوں روپے وصول کرتے ہیں۔ ۔ ۔ ہاں تو انہوں نے اپنا تخلص رکھا ہے برقؔ — یعنی سید موسیٰ نام، سنجیدہ کلام کے لئے تخلص کلیمؔ مزاحیہ کلام کے لئے برقؔ۔ مگر حضرت موسیٰ کلیم اللہ کی برق، کوہِ طور پر گرا کرتی تھی اور حضرت موسیٰ بے ہوش ہو جاتے تھے۔ یہ صرف نام کے موسیٰ کلیم ہیں۔ اور ان کی برق طور پر نہیں گرتی بلکہ طیور کے آشیانوں پر گرتی ہے اس لئے ان کا پورا تخلص برقؔ آشیانوی ہے۔ لیکن معصوم پرندوں، بلبلوں، کبوتروں، فاختاؤں کے گھونسلے ان کی بجلی سے محفوظ ہیں۔ اِن کی بجلی تو مردار کھانے والے پرندوں کے آشیانوں پر گرتی ہے کہ ؎

جلا کے خاک نہ کر دوں تو برق (داغ) نام نہیں

تو جناب یہ ہوا ان کا اور ان کے تخلص کا تعارف۔ آیئے اب ذرا برقؔ کی برقیات پر نظر ڈالیں۔ ڈر ہے کہ کہیں چمک سے نظر خیرہ نہ ہو جائے۔

اس مجموعۂ کلام کا نام ہے "مکرّر ارشاد" اس کی توجیہہ یہ ہو سکتی ہے کہ یہ وہ کلام ہے جس کا ہر شعر مکرّر، اور بقول ایک غلط گو کے، سہ کرّر، چو کرّر، پنجکرر آپ سے سامعین نے پڑھوایا ہے۔ اب میں اُن نشتروں، خنجروں اور اور تلواروں کو آپ کے سامنے بطور نمونہ پیش کرتا ہوں جو برقؔ صاحب نے اپنے اس اسلحہ خانے میں بغیر لائسنس کے جمع کر رکھی ہیں اور پولس بھی قانوناً ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ کیونکہ یہ تیر و نشتر جمہوری دور میں آزاد ہیں۔ ان میں کر دی گویا ہیں جن پر شکر کا غلاف چڑھا ہے۔ سوسائٹی کی کسی جماعت کو انہوں نے معاف

نہیں کیا۔ عورت ہو کہ مرد، لیڈر ہو کہ شاعر، عاشق ہو کہ معشوق، مختصر یہ کہ

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں
تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

پہلا حصہ ہے موضوعات، اور جو موضوعاتِ نظم ہیں اُن میں طنز و مزاح دیکھئے
—— ایک موضوع ہے "نیا سال مبارک" فرماتے ہیں۔

پھر دیش میں بھوکھا ہے نیا سال مبارک ہر آدمی بھوکا ہے نیا سال مبارک
روزی کا سہارا ہے نہ رہنے کو مکاں ہے روٹی ہے نہ کپڑا ہے نیا سال مبارک
فریادسنی برق کی تو سیٹھ یہ بولا "ساحر" یونہی بکتا ہے نیا سال مبارک

غرض چٹ پٹے اشعار ہیں لمبی نظم ہے۔ ایک عنوان ہے "شعر کی فریاد"۔
اس نظم میں مرحوم شاعر اسماعیل میرٹھی کی نظم "ایک لڑکی بگھارتی ہے دال"
کا چربہ اڑایا ہے۔

ایک شاعر بگھارتا ہے شعر تلملا کر پکارتا ہے شعر
اتنا بگڑا ہے آج رنگ مرا قافیہ ہو گیا ہے تنگ مرا

یہ نہایت پر لطف اور معنی خیز نظم ہے۔
ایک نظم ہے "اڈمیشن"۔ اسکول میں بچوں کے داخلے کی دشواریاں جدید انداز
میں پیش کی ہیں۔ طویل نظم ہے۔

دیگر موضوعات ہیں۔ آزادی کی ریل گاڑیاں۔ شعراء کا ٹریننگ اسکول وغیرہ
"نوجوان کی درخواست ایکٹر پروڈیوسر کے نام"۔ یہ مرزا غالب کے قصیدے پر

پیروڈی ہے ۔

اے اداکار آسماں اورنگ — اے پروڈیوسر آفتاب آثار
تیری تعریف سے زباں قاصر — تیری توصیف کو قلم درکار

آخری دعائیہ شعر سنئے

تو سلامت رہے ہزار منٹ — ہر منٹ کے سکنڈ ہوں دو چار

عابد روڈ ایک اور جدید نظم ہے۔ حیدرآباد میں عابد روڈ پر جو مناظر نظر آتے ہیں۔ ان کا نقشہ کھینچ کر رکھ دیا ہے۔ نظم "حادثہ" اصل میں ریل گاڑی کی ٹکر کا حادثہ ہے۔ فرماتے ہیں ؎

پہنچا مقام حادثہ سرکاری ترجمان — واپس ہوا تو اس نے یہ جاری کیا بیان
اک حادثہ میں ریل کے دو آدمی مرے — اور صرف چار آدمی کچھ زخمی ہوگئے

اسکا آخری شعر سنئے

یہ حادثے ہیں ملک میں علم اور شعور کے — اس فیصلے پہ داخل دفتر ہوئی مثل

عاشقوں کی کانفرنس میں سماجی تعلیمی اور سیاسی مسائل پر بھرپور طنز ہے۔ اس کے یہ شعر ملاحظہ ہوں۔

یاد میں سارے جہاں کے کشتگانِ عشق کی — ہو کے استادہ منائی دو منٹ کی خامشی
کالجوں میں عام ہو طلباء میں رسم عاشقی — حیثیت اسکی رہے کمپلسری سبجیکٹ کی
ملک چلا ہے بھوک اور غربت کے دوراہے پہ ہم — ایک اسٹیج پہ ہر اک عاشق کا جوڑا ہے پہ ہم
دور آبادی سے ان کا ایک خطہ چاہیئے — بلکہ ان کی ایک ریاست ہی علٰحدہ چاہیئے

"بیوی نامہ" دراصل نظیر اکبرآبادی کی نظم "گوڑی" پر ایک طرح کی ترجیع بند کے طور پر پیروڈی ہے۔ اس میں ہر مزاج کی بیوی کو لطیف پیرائے میں پیش کیا گیا ہے۔ دلگی کی دل لگی اور سبق کا سبق ہے۔ "دھوبی کی درخواست" بڑے مزے کی نظم ہے جو نااہل چھوٹی موٹی باتیں بنا کر اور ترکیبیں لڑا کر بڑھ جاتے ہیں اور اکڑ جاتے ہیں۔ ان کا نقشہ کھینچ کر رکھ دیا ہے۔

"بغیر انجن کے ریل گاڑی" ایک حقیقی واقعہ پر مبنی نظم ہے ایک مال گاڑی خدا معلوم ہوا کی تیزی سے یا کسی وجہ سے بغیر انجن کے خود بخود چل پڑی اور چند اسٹیشن پار کر گئی۔ بالآخر تیسرے اسٹیشن پر اس کو روک لیا گیا۔ مختصر مگر بڑی مزے دار نظم ہے "وفادار شوہر" اسی قسم کی نظم ہے جیسی کہ نظیر اکبر آبادی کہہ گیا ہے ۔

دو چار کیا میں پانچ ہیں کھدڑ گا میں رہیں ۔۔۔ اللہ کسی کو نہ رکھے جورو کے بس میں

چنانچہ یہ بھی ایک وفادار شوہر کی داستانِ مظلومیت ہے۔

نظم "مریضِ قلب" تو وہی مثل ہے "گئے تھے روزے بخشوانے اور گلے پڑی نماز" یعنی دل کا مریض ڈاکٹر صاحب کے پاس علاج کرانے گیا۔ اور جب ڈاکٹر نے اپنی فیس کا مطالبہ کیا تو وہیں ختم ہو گئے۔

"رہیے اب ایسی جگہ"..... میں غالب کی غزل پر غاصبانہ قبضہ کیا ہے۔ اور ہر شعر پر ایسے مصرعے لگائے ہیں کہ اگر غالب زندہ ہوتے تو اپنی غزل سے برق صاحب کے حق میں دست بردار ہو جاتے۔ اور بھی چند نظمیں ہیں۔ جو کہ "ہڑتال" "مدار ستارہ" وغیرہ جن میں برق صاحب نے اپنی انفرادیت کو قائم رکھا ہے۔

موضوعات کے بعد نمبر آتا ہے غزلیات اور قطعات کا۔ غزلیات میں بھی اچھی طرح کھیل کھیلے ہیں۔ اور آزادی کے ساتھ دل کی بھڑاس نکالی ہے۔ ایک غزل نہیں بلکہ "گجل" اور وہ فرنگی غزل ہے۔ یعنی مطلع سے لیکر مقطعے تک انگریزی قافیے ہیں۔ دیکھنے اور پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ غزلیات کے یہ شعر ملاحظہ ہوں۔

گھر کی جو مرغی ہے وہ نظر آئے انکو دال ؎ باہر کی دال بھی انہیں مرغی دکھائی دے
کچھ وضع کے پابند ابھی لوگ ہیں باقی ؎ دنیا میں شرافت ہے مگر ایک بٹہ چار

قطعات میں سے ایک قطعہ ملاحظہ فرمایئے۔

شب کو بس اسٹانڈ پر اک نوجواں نے یہ کہا ؎ صبح دم آیا تھا میں شب کا اندھیرا ہو گیا
ایک مردِ پیر نے یہ سن کے فرمایا میاں ۔۔۔ میں جوانی میں یہاں آیا تھا بوڑھا ہو گیا

تبسم سے لیکر قہقہوں تک غرض یہ کہ پورا کلام آدمی کو دعوتِ لطف اندوزی و سبق آموزی دیتا ہے۔

میں بھی کچھ ہوں

ہر شخص کچھ نہ کچھ ہوتا ہے۔ چنانچہ میں بھی کچھ ہوں۔ کیا ہوں؟ اس کا تصفیہ تو قارئین کریں گے۔ قارئین میں سے ہر ایک مجھے کچھ سمجھے گا۔ خواہ کچھ ہی سمجھے۔ جب کئی لوگ مجھے کچھ کچھ سمجھیں گے تو میں بہت کچھ ہو جاؤں گا۔ البتہ مجھ سے اگر پوچھا جائے تو میں یہ عرض کروں گا کہ میرے جیسا شاعر آج تک پیدا نہیں ہوا اور نہ کبھی پیدا ہوگا۔ اس دعوے میں جو صداقت ہے وہ کسی صراحت کی محتاج نہیں۔ کہا جاتا ہے کہ شاعر پیدا ہوتا ہے یہ بات غلط ہے صحیح بات یہ ہے کہ شاعر مرتا ہے۔ جب میں پیدا ہوا تو میں شاعر نہیں تھا۔ جب مروں گا تو لوگ شکر ادا کریں گے کہ چلو ایک شاعر تو مرا۔ طبعی موت سے پہلے بھی شاعر کئی بار مرتا ہے اور کئی طرح سے مرتا ہے۔ سب سے الم ناک موت اس وقت واقع ہوتی ہے جب اس کا مجموعۂ کلام شائع ہوتا ہے۔ سب سے آسان موت وہ ہوتی ہے جس سے شاعر اپنے کسی شعر میں مرتا ہے۔ اس لئے کہ دوسرے ہی شعر میں پھر زندہ بھی ہو جاتا ہے۔ مثلاً مرزا غالب کا یہ شعر ؎

مر گیا پھوڑ کے سر غالبِ وحشی ہے ہے　　اس کا وہ بیٹھنا آ کر تری دیوار کے پاس

میرا نام سید موسیٰ ہے اور تخلص کلیم۔ سنجیدہ تخلیقات میں کلیم تخلص ہوتا ہے اور مزاحیہ تخلیقات میں برق آشیانوی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مزاح نگار کی ہمیشہ تعریف ہی نہیں کی جاتی بعض وقت اس کو گالیاں بھی دی جاتی ہیں۔ کلیم کے نام سے گالیاں کھانا اچھا نہیں لگتا۔ برق آشیانوی کو جی بھر کر گالیاں دی جا سکتی ہیں۔ میں گالیوں کا جواب نہیں دیتا۔ اس لئے کہ گالی کا جواب بھی گالی ہے اور گالی دینا کوئی اچھی بات نہیں ہے۔

میری تعلیم انٹرمیڈیٹ تک ہوئی۔ والد ماجد حضرت سید امیر الدین صاحب قبلہ مرحوم نے

زبردستی فارسی بھی پڑھا ڈالی۔ پہلے مدرسی کی خدمت پر مامور ہوا۔ پھر اس کو خیرباد کہہ کر جیل ڈپارٹمنٹ کی ملازمت اختیار کی اور ڈپٹی جیلر کی خدمت سے وظیفے پر سبکدوش ہو کر اب بے چینی کی بنسی بجا رہا ہوں۔

لڑکپن سے شعر و ادب کا ذوق ہے اور طنز و مزاح سے فطری لگاؤ ہے۔ عنفوانِ شباب میں میری تخلیقات منظرِ عام پر آئی ہی تھیں کہ مجھے نیند آ گئی اور میں قلم رکھ کر سو گیا۔ تقریباً بیس سال بعد آنکھ مل کر اٹھا تو مزاحیہ مضامین لکھنے لگا۔ نثر نگاری کی حیثیت سے ملک کے طول و عرض میں شہرت حاصل کرنے کے بعد مزاحیہ شاعری پر برس پڑا۔ اسکو زیادہ قابلِ اعتنا نہ سمجھتا تھا۔ دلّی کے مشاعرے میں میرا کلام سنکر سلام مچھلی شہری، مخمور سعیدی اور دیگر شعرائے نے خیال ظاہر کیا کہ مجھے طنز و مزاح میں شعر کہنا آتا ہے۔ بالخصوص سلام مچھلی شہری مرحوم نے بیحد ستائش کی۔ جب مجھ سے ملنے کے لئے میرا پتہ دریافت کیا تو میں خود ان سے ملنے چلا گیا۔ بڑی گرمجوشی سے گلے ملے۔ میری داستاں سنی، اپنی داستاں سنائی۔ رخصت ہوتے ہوئے کہا "آپ اپنا مزاحیہ کلام شائع کروا دیجیے" ان الفاظ کی گونج میرے کانوں میں بس گئی۔ یہی گونج آخر میں "مجموعۂ ارشاد" کے نام سے ایک مجموعۂ کلام کی شکل اختیار کر گئی۔

علامہ حیرت بدایونی کو میں فن اور زبان کا استاد اور طنز و مزاح کی باشعور شخصیت مانتا ہوا۔ میرے مجموعۂ کلام پر انکے رشحاتِ قلم باعثِ افتخار ہیں۔ اس مجموعے کی اشاعت میں صاحبِ موصوف کی حوصلہ افزائی کا تہہ دل سے ممنون ہوں۔

زندہ دلانِ حیدرآباد کا شکریہ ادا کرنا ایسا ہے جیسے خود اپنا شکریہ ادا کرنا۔ اسلئے کہ میں زندہ دلانِ حیدرآباد کا نائب معتمد ہوں۔ اور مجموعے کی اشاعت کیلئے وہ پورا کام مجھے کرنا پڑا جو کتاب کی اشاعت میں نائب معتمد کو کرنا پڑتا ہے۔ البتہ مصطفیٰ کمال صاحب اور حمایت اللہ صاحب نے جو ہاتھ بٹایا ہے اس کو فراموش نہیں کر سکتا۔

برقؔ آشیانوی

موضوعات

نیا سال مبارک
سنہ ۱۹۶۳ء

پھر جھومتا آیا ہے نیا سال مبارک
کیا نعمتیں لایا ہے نیا سال مبارک

پھر دیش میں سوکھا ہے نیا سال مبارک
ہر آدمی بھوکا ہے نیا سال مبارک

ریلوں نے منایا ہے نیا سال مبارک
اک حادثہ تازہ ہے نیا سال مبارک

روزی کا سہارا ہے نہ رہنے کا مکاں ہے
روٹی ہے نہ کپڑا ہے نیا سال مبارک

جینے کا تو کیا ذکر کہ مرنا بھی ہے مشکل
اب زہر بھی مہنگا ہے نیا سال مبارک

لیڈر ہو منسٹر ہو کہ افسر کہ گورنر!
ترلقمے اڑاتا ہے نیا سال مبارک

کھانے کو ترسنے کا پرانا ہے یہ قصہ
پانی کو ترسنا ہے نیا سال مبارک

پہلے تو فقط بھوک سے مرتی تھی رعایا
اب پیاس سے مرنا ہے نیا سال مبارک

سن ساٹھ میں شادی ہوئی ہر سال اک اِشو[ل]
یہ بارھواں بچہ ہے نیا سال مبارک

قحط اور گرانی تو بہانے ہیں کہ انساں
موت آئی تو مرتا ہے نیا سال مبارک

اب ملک میں ہر سمت فقط سوشلزم کا
بجتا ہوا ڈنکا ہے نیا سال مبارک

فریاد سنی برق کی تو سیٹھ یہ بولا!
شاعر[ے] یونہی روتا ہے نیا سال مبارک

ل Issue　　ے شاعر

شعر کی فریاد

ایک شاعر بگھارتا ہے شعر | تلملا کر پکارتا ہے شعر
شعر کرتا ہے عرض یوں احوال | ہائے یہ کس نے کر دیا پامال
ایک دن تھا ہرا بھرا تھا میں | ساری آفات سے بچا تھا میں
قصرِ شاہی تھا میرا گہوارا | وہ وطن تھا مجھے بہت پیارا
میں نے قلعوں میں پرورش پائی | تھی میسّر سریر آرائی
شاہی دربار تھا مقام مرا | تھا زمانے میں شہرہ عام مرا
تاجدارِ وطن بھی شاعر تھا | فنِ شعر و سخن میں تھا یکتا
شاعرِ عالم پناہ ہوتا تھا | شاعر استادِ شاہ ہوتا تھا
شاعری کے اساتذہ بھی تھے | اور ان کے تلامذہ بھی تھے
دلّی، پنجاب، لکھنؤ، دکّن | عظمتِ شاعری کے تھے مسکن

گئی تقدیر یک بیک جو پلٹ
شاعری ہو گئی ہے سب چوپٹ

اتنا بگڑا ہے آج رنگ مرا | قافیہ ہو گیا ہے تنگ مرا
شعر کو ایسے چھانٹ ڈالا ہے | جیسے ٹکڑوں میں بانٹ ڈالا ہے

ایک مصرعہ ہے سینٹی میٹر کا
دوسرا مصرعہ کیلومیٹر کا

بِک رہا ہوں میں اب سرِ بازار
میرا ہونے لگا ہے اب بیوپار

اب کہاں لاڈ اور چاؤ مرا
ایک روپیہ میں دس ہے بھاؤ مرا

ملک میں بے شمار شاعر ہیں
نئے پیسے کے چار شاعر ہیں

جن کو آتی نہیں ہے "الف بے تے"
وہ بھی ہیں آج شعر کہہ لیتے

جن کو دنیا میں کچھ نہیں ہے کام
تھام لیتے ہیں شاعری کی لگام

شاعری میں نہ کوئی تاجر ہے
نہ تو برلا نہ ٹاٹا شاعر ہے

کوئی زردار بھی نہیں شاعر
فلم اسٹار بھی نہیں شاعر

کوئی شاعر نہیں گورنر بھی
اور نہ شاعر ہے چیف منسٹر بھی

نہ تو وزرائے مرکزی شاعر
نہ تو پردھان منتری شاعر

حاکمِ بحریہ نہیں شاعر
صدرِ جمہوریہ نہیں شاعر

سُن کے یہ ماجرائے حیثیت
بولا اک شاعرِ جدیدیت

میں تو رتبہ ترا بڑھاتا ہوں
تجھ کو روٹی سمجھ کے کھاتا ہوں

اڈمیشن

اڈمیشن کا ہے زمانہ اے دوست

عہدِ حاضر کا ہے اک مسئلہ مشکل مت پوچھ

یعنی دشواریٔ منزل مت پوچھ

ہر قدم دوریٔ منزل ہے نمایاں مجھ سے
کس سے محرومیٔ قسمت کی شکایت کیجے
کسی اسکول میں اک سیٹ کا ملنا دشوار
زندگانی سے مرا جی بیزار
گیٹ کھلتا ہی نہیں
کوئی ملتا ہی نہیں
آٹھ بچوں کو لیے صبح سے ٹھہرا ہوں یہاں
آٹھ کے آٹھ نہیں ہیں میرے
صرف دو ہیں مرے دل کے ٹکڑے
اور دو بھائی کے ہیں نورِ نظر
اور یہ چار پڑوسی کے جگر گوشے ہیں
آٹھ بچوں کی یہ ننھی سی قطار
جن کے چہروں پہ ہے اک گردِ غبار
بھوک اور پیاس سے ہیں سب بے تاب

دس بجے گیٹ کھلا
اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے یوں بند ہوا
جیسے تاریکی میں بجلی چمکی
اور پھر چھا گئی ظلمت کی گھٹا
پانچ یا سات ہی بچے ہوئے ہوں گے داخل
باقی دو سو زیادہ ہوئے واپس گھر کو
میں بھی بچوں کو لئے گھر لوٹا
چار بچوں کو پڑوسی کے حوالے کر کے
اور دو بھائی کے گھر پہنچا کر
اپنے دو لے کے چلا آیا ہوں
اور رو رو کے یہ کہتا ہوں بصد آہ و بکا
ہائے ان معصوموں کا اب کیا ہوگا
آئی آواز کہ — "اب صبر کرو — صبر کرو —
صبر کا پھل ہے میٹھا —"

آزادی کی ریل گاڑیاں

ریل گاڑی کہہ رہی تھی دوسری اک ریل سے
یعنی پاسنجر مخاطب ہو گئی تھی میل سے

اک زمانہ تھا کہ حاکم دیس کا انگریز تھا
ظلم میں فرعون تھا اور قہر میں چنگیز تھا

ٹائم ٹیبل اک بنا رکھا تھا اس مکّار نے
چھین لیں آزادیاں ریلوں کی دل آزار نے

عقل سے کچھ کام لینے بھی نہ دیتا تھا ہمیں
اک منٹ آرام لینے بھی نہ دیتا تھا ہمیں

دیش ہے آزاد تو ہم کو بھی آزادی ملی
اور وہ دن آگیا جب اپنی مرضی بھی چلی
دور ہے لاحت کا اب ہر فرد کو آرام ہے
اب ہر اک کو اپنی مرضی کے مطابق کام ہے
یوں سوسائٹی میں ہمارا بڑھ گیا ہے اب وقار
ہم کو چھوڑا جا رہا ہے بے نکیل و بے مہار
دیکھنے کو ٹائم ٹیبل اب بھی بنتا ہے مگر
ہم تو اپنے وقت اور مرضی سے کرتی ہیں سفر
جب طبیعت سست ہوتی ہے تو سستاتی ہیں ہم
ناف ٹلتی ہے تو پٹری سے اتر جاتی ہیں ہم
اور جب غصہ ہمیں آئے تو چلتیں ہی نہیں
چھوڑ کر اسٹیشن اپنا ہم نکلتیں ہی نہیں

یوں ہی چل پڑتی ہیں بعض اوقات انجن کے بغیر
صرف ڈبے چل کے کر لیتے ہیں کچھ تفریح و سیر

پورٹر بھی تان کر ڈیوٹی پہ سو جاتے ہیں اب
چھوٹے موٹے حادثے ہر روز ہو جاتے ہیں اب
عید کو تہوار کو آپس میں ملتی ہیں گلے
کیا ہوا دو چار سو انسان، گر اس میں مر گئے
موت آتی ہے کسی کی تو ہی مرتا ہے کوئی
حادثوں پر کس لئے الزام دھرتا ہے کوئی
حادثوں کے نام سے کیوں ریل ہی بدنام ہے
زندگی سچ پوچھیئے تو حادثوں کا نام ہے
راستہ کتنا بھی ہو دشوار چلنا چاہیئے
حادثوں کی گود میں انساں کو پلنا چاہیئے
یوں تو قسمت اپنی بدلی اچھے دن اب آ گئے
پھر بھی ہم پیچھے ہیں شوکت تھانوی کی ریل سے

اب دعا فرمایئے اتنی ہمارے حال پر
پوری ہو جائے خدا کے فضل سے جو ہے کسر"

ایک نوجوان کی درخواست ایکٹر پرڈیوسر کے نام

اے اداکارِ آسمان اورنگ
اے پرڈیوسر آفتاب آثار

تیری تعریف سے زباں قاصر
تیری توصیف کو قلم درکار

زندگی میں جو ہو نہ زندہ دلی
زندگی سے نہ کیوں ہو دل بیزار

کام کرنے میں جی نہیں لگتا
اور پڑھنے سے بھی ہے جی بیزار

ہندی تاریخ میتھس انگریزی
سائنس جغرافیہ کی ہے طومار

تیس چالیس تو کتابیں ہیں
کاپیوں کا نہیں ہے کوئی شمار

ہاف ایرلی وانیول اگزام
امتحانات کی ہے یہ تکرار

مجھ کو دیکھو تو ہوں بقیدِ حیات
اور چھ ماہی ہو سال میں دوبار

ٹیچروں کی وہ سرزنش پیہم
وقنا ربّنا عذاب النّار

یہ بھی تعلیم ہے کوئی تعلیم
ایسی تعلیم پر خدا کی مار

ایم بی بی ایس میں اور بی ای میں
مل نہیں سکتا اڈمیشن زنہار

کیجئے پاس بی اے مر مر کے
اور بنئے کلرک آخر کار

ایسے جینے سے نوجواں لاکھوں
ڈوب مرنے کو ہو گئے تیار

ڈوب مرنا تو بے وقوفی ہے
میں کہاں کا ہوں اس قدر خوددار

میرے نزدیک سب سے بہتر ہے — نوجوانوں کا بننا فلم اسٹار
فلم اسٹار کیسے بن جاؤں — سر پہ رہتی ہے یہ ہی فکر سوار

اس لیئے آپ سے گزارش ہے
مجھ سے کچھ کام لیجیے سرکار

نہ مرے پاس کوئی اسکوٹر — نہ ہے ڈیڈی کے پاس موٹر کار
کچھ تو جیبوں میں چاہیئے آخر — تا نہ دے غربتِ وطن آزار
اتنے جھانسے دیئے ہیں لوگوں کو — کوئی دیتا نہیں ہے دستِ ادھار
پانچ سو سے بھی کیا چلے گا کام — چاہیئے کم سے کم تو ایک ہزار
آخرش سیف سے ہی ڈیڈی کے — لے اڑا ہوں مبلغ ایک ہزار
الغرض آپ یہ کرم کیجے — فلم میں دیجئے کوئی بیگار
پردے دھلوائیے تو دھوؤں گا — خدمتِ فلم میں نہیں کچھ عار
شکل و صورت میں سائرہ بانو — ہوں اداکاری میں دلیپ کمار
رفتہ رفتہ ترقی دے دینا — دیکھ کر میرے کام کی رفتار

ہیرو اک دن مجھے بنا دیجے
زندگی کا ہو میری بیڑا پار

ختم کرتا ہوں اب دعا پہ کلام — فضلِ یزداں کی تم پہ ہو بوچھار
تم سلامت رہو ہزار منٹ — ہر منٹ کے سکنڈ ہوں دو چار

شعراء کا ٹریننگ اسکول

شعرائے وقت جب ہوئے دوشِ سخن پہ بار
اُونچی ہوئی فضاؤں میں یہ وقت کی پکار

ناداں سخن وروں کو ٹریننگ دیجیے
کہتے ہیں کیسے شعر یہ کوچنگ دیجیے

کچھ انتظام بہتر و معقول چاہیے
شعرا کی تربیت کا اک اسکول چاہیے

بلڈنگ ایک خستہ و پامال دیکھئے
سبزہ اگا ہوا در و دیوار پر رہے

اوقات شب کے دس بلے سے رہیں تا بہ صبح چار
دن میں کیا کریں غم و آلام روزگار

کرتا و پائجامہ یا دھوتی ہو یونیفارم
موسم کے اعتبار سے وہ کولڈ ہو کہ وارم

شاعر کے سر کے بال ہوں حد سے بڑھے ہوئے
گنجا اگر ہو کوئی تو رومال باندھ لے

وہ ایک سال کا ہو مقرر کوئی نصاب
مضمون پر ہر ایک ہو تصنیف اک کتاب

سب کے لئے ہوں چند مضامین لازمی
شعر و سخن کی سائنس کہ تاریخِ شاعری

ان میں ہوں اختیاری مضامین پانچ سات
جیسے جدید نظم غزل اور رباعیات

گر بیس ہوں کتابیں تو چالیس کاپیاں
تعلیم ہو گئی ہے بہت آج کل گراں

بیڑی نکال دیجیے قواعد کی پاؤں سے
اور شاعری کو قید سے آزاد کیجیے

پابندیاں صحیح زباں کی اٹھائیے
تقطیع اور بحر کی زلفیں کٹائیے

پھر صفحۂ سخن سے مٹا دیجیے عروض
برکات ان کے کوئی نہ ان کے کوئی فیوض

مصرع ہو ایک لانگ، تو اک مصرعہ شارٹ ہو
یوں نظم اک نمونۂ ماڈرن آرٹ ہو

سبجیکٹ ہوں تھیوری کے تو ساتھ ہو عمل
دس بارہ لیجیے گا کلاسیں پریکٹکل

کروائی جائے مشق فنِ سرقہ کی کڑی
اشعار کس طرح سے دیئے جاتے ہیں ترڑی "

اُستادِ فن کے شعر کی گردن مروڑ کر
پڑھ لیں پھر اس میں اپنے تخلص کو جوڑ کر

تعریف ہو تو کیسے کیا جاتا ہے سلام
ہوٹنگ ہو تو کیسے چلیں چھوڑ کر مقام

بتلائیے گا ان کو ترنّم کے فائدے
اور ہو سکے تو تھوڑے سے گانے کے قاعدے

گرتا ہو کوئی شعر تو کیسے سنبھال لیں
کس طرح فلمی گیت کے سانچے میں ڈھال لیں

Lesson
دو چار لیسن اور کچھ اڈوانس بھی سکھاؤ
گانے کے ساتھ ساتھ ذرا ڈانس بھی سکھاؤ

شعرائے فلم ان کے مقرر ہوں لکچرار
اور اک پرنسپل ہو پرانا سنگیت کار

طور و طریق شعر کا ماہر بنائیے
القصّہ مختصر انہیں شاعر بنائیے

عابد روڈ

ڈور ویرانے میں کل رات کو اُلّو چیخا
جیسے کانوں میں شکر گھول رہا تھا کوئی
جیسے اسٹیج پہ کچھ بول رہا تھا کوئی

اور ــــــــــــــــــ

جدائی میں تری
جاگ رہا تھا میں بھی
فکرِ فردا نہ کروں محوِ غمِ دوش رہوں
نعرہِ اُلّو کا سنوں اور ہمہ تن گوش رہوں

یہ تو ممکن ہی نہ تھا
میں اٹھا
اٹھ کے گیا
کیا بتاؤں کہ وہاں کیا دیکھا
کسی فن کار کی مانند
مغنّی کی طرح

ریڈیو پر کوئی گاتا تھا خیال
وقت کا ایک سوال
ایک نغمہ تھا زباں پر چالو
یعنی یہ پوچھ رہا تھا اُلّو
جگمگا اٹھتی ہے ہر رات کو کیوں "عابد روڈ"

ہائے رکشا یہ یہ ناقابلِ برداشت سالوڈ
یہ لچکتے ہوئے ناگ
یہ بھڑکتی ہوئی آگ
ان میں کچھ سخت خطرناک ہیں

زہریلے ہیں
اور کچھ ساخت میں مضبوط ہیں
پتھریلے ہیں
بیدِ لرزاں کی طرح بعض تو لچکیلے ہیں

بعض مجبور ہیں معصوم ہیں

شرمیلے ہیں

شمعیں جلتی ہیں تو پروانے بھی آجاتے ہیں
فصلِ گل دیکھ کے دیوانے بھی آجاتے ہیں
پہلے ہوٹل میں ذرا بیٹھ کے کھا لیتے ہیں
بعد میں دوست کے دامن کی ہوا لیتے ہیں
پھر دکھائی نہیں دیتے کہ کہاں جاتے ہیں

اک حقیقت سے تو انکار نہیں
ہم سخن فہم ہیں اُلّو کے طرفدار نہیں

واہ کیا بات کہی
خوب کہی

بلکہ بہت خوب کہی
یعنی ماشاء اللہ
بلکہ سبحان اللہ

دُور ویرانے میں کل رات کو اُلّو چیخا

حادثہ

دربارِ لم یزل میں فرشتے نے یہ کہا
معبود پھر زمین پہ اک حادثہ ہوا

یہ حادثہ ہے تیری قسم اتنا شاندار
سارے گذشتہ حادثوں کا ہے یہ شاہ کار

ارشادِ ایزدی ہوا تفصیل پیش ہو
روداد حادثہ کی بہ تعجیل پیش ہو

آیا فرشتہ آ کے یہ تفصیل لے گیا
اور بارگاہِ ایزدی میں لب کشا ہوا

پاسنجر اک ٹرین تھی جب پلیٹ فارم پر
اک اکسپریس ٹرین کا اس جا ہوا گذر

دونوں مسافروں سے تھیں ایسے لدی ہوئی
جیسے کہ تھیں کباب کو چیونٹیاں لگی ہوئی

غیض و غضب میں دوسری چنگھاڑتی ہوئی
آئی اور آ کے پہلی کے سینے پہ چڑھ گئی

انجن ہوا میں اُڑ گئے پر تولتے ہوئے
ڈبے فضا میں تیر گئے ڈولتے ہوئے

جملہ مسافرانِ پریشان پس گئے
مور و ملخ کی طرح سے انسان پس گئے

پہنچا مقامِ حادثہ سرکاری ترجماں
واپس ہوا تو اس نے یہ جاری کیا بیاں

اک حادثے میں ریل کے دو آدمی مرے
اور صرف چار آدمی کچھ زخمی ہو گئے

روداد پوری سن کے یہ ارشادِ رب ہوا
وَالعَصرِ اِنَّ الاِنس بڑا ہی غضب ہوا

پھر یہ ہوا سوال کہ ہے عہدہ دار کون
ہوگا سوائے اس کے بھلا ذمہ دار کون

دفتر کے ساتھ صاحبِ دفتر بھی پیش ہو
یعنی کہ محکمے کا منسٹر بھی پیش ہو
پکڑے گئے غریب خطا وار قصور میں
لائے گئے وزیرِ خدا کے حضور میں
پوچھا گیا کہ "اتنا بڑا حادثہ ہوا
سچ سچ بتاؤ تم تھے کہاں کر رہے تھے کیا"

بولے وزیر "اس میں مری کچھ خطا نہیں
کیا محکمے میں ہوتا ہے میں جانتا نہیں
میں صرف باتیں کرتا ہوں ایواں میں بیٹھ کر
سچ تو یہ ہے کہ بات بھی آتی نہیں ہے کر
تیری قسم کبھی نہیں بیٹھا ٹرین پر
میرا سفر تو کار پہ ہے یا پلین پر

اس حادثے پہ عہدے کو قربان کر دیا
یعنی کہ میں نے آج ہی استعفیٰ دے دیا
میں کیا کروں کہ مجھ پہ ہے رحمت کا یہ نزول
استعفیٰ بھی کیا نہیں جاتا مرا قبول

ویسے تو میں عوام کا خادم ضرور ہوں
کہنا ہے اقتدار کا میں بے قصور ہوں"

یہ کہتے کہتے جانے فرشتے کے کان میں
آہستگی سے کیا کہا اور کس زبان میں

بولا فرشتہ سوچ کے "یا ربّ العالمیں
اس میں خطا غریب منسٹر کی کچھ نہیں"

ارشاد پھر ہوا کہ "خطا وار کون ہے
فوراً بلا کے لاؤ سزاوار کون ہے"

کی عرض تب فرشتے نے یہ ہاتھ جوڑ کر
"پروردگار و خالق و ربِّ جن و بشر

انجن ڈرائیوروں کی خطا تھی وہ چل بسے
مردود اپنے ہاتھوں سزا اپنی پا گئے

ویسے تو کیبن مین بھی کچھ ذمہ دار ہے
لیکن وہ ایک شاعرِ فطرت نگار ہے

شب کو اٹنڈ اس نے کیا تھا مشاعرہ
جاگا ہوا تھا رات کا ڈیوٹی پہ سو گیا

میری نظر میں کوئی خطا وار ہی نہیں
سچ تو یہ ہے کہ کوئی گنہگار ہی نہیں

معمول کا یہ واقعہ ہے اور کچھ نہیں
اک اتفاقی حادثہ ہے اور کچھ نہیں

یہ حادثے ہیں ملک میں عام اور یوژول
اس فیصلے پہ داخلِ دفتر ہوئی مثل

●

عاشقوں کی کانفرنس

ملک میں ہونے لگیں جب کانفرنسیں پے بہ پے
تو کیا اک روز سب عُشّاق نے مل کر یہ طے

کانفرنس عُشاق کی بھی ایک ہونی چاہیئے
داستاں اک دن ہمیں اپنی بھی رونی چاہیئے

اک بیاباں کا کیا سب عاشقوں نے انتخاب
شہ نشیں اک بن گیا کانٹوں کا مسند لاجواب

ملک کا اک عاشقِ خرانٹ بلوایا گیا
صدر کے مسند پہ اس کو لا کے چپکایا گیا

ہار اس کے واسطے گل ہائے خودرو کا بنا
اور سنگِ آستانِ یار کا تکیہ بنا

طبع میں آوارگی تعلیم میں جاہل تھا وہ
لیکن اپنے وقت کا اک عاشقِ کامل تھا وہ

اور اک عاشق بنا اس کانفرنس کا معتمد
خانۂ ویرانی بیں اُلّو شکل و صورت میں چغد

عاشقانِ چند رکنِ انتظامی بن گئے
سینکڑوں عشاق رکنِ عام کی صف میں رہے

صورتوں پر سب کی وحشت جسم پر گرد و غبار
بال سر کے خاک آلودہ تھے کپڑے تار تار

دل میں دھڑکن چشم پرنم لب پہ آہیں سرد سرد
جس کو دیکھو وہ نظر آتا تھا اک تصویرِ درد

یوں نظر آیا کہ شعرا کا نگیٹو ہیں یہ سب negative
شاعروں کے دور کے کوئی ریلیٹو ہیں یہ سب relative

معتمد نے جب پڑھا اک خطبہ استقبالیہ
عاشقوں کا کھینچ ڈالا ایک نقشہ حالیہ

ریزولیوشن پاس سب عشّاق نے مل کر کیا
اوّلیں منزل کو گویا کانفرنس کی سر کیا

سب سے پہلے قیس اور فرہاد کا ماتم ہوا
ہیر رانجھا اور ششی پنّوں کا رنج و غم ہوا

یاد میں سارے جہاں کے کشتگانِ عشق کی
ہو کے استادہ منائی دو منٹ کی خامشی

پھر بتایا ہیں بہت مشکل مراحل سامنے
عاشقوں کے رکھے پیچیدہ مسائل سامنے

کیا بیاں کیجے زباں سے عاشقوں کا حالِ زار
عاشقانِ باوفا ہیں ملک کے بے روزگار

کچھ توجہ عاشقوں کے حال پر فرمائیے
پانچویں منصوبے میں ان کے مسائل لائیے

تاکہ یہ پورا کریں سب اپنا فرضِ منصبی
اور زوروں پر چلائیں کاروبارِ عاشقی

ہم جمیع عشّاق کی یہ مشترک اک مانگ ہے
غور کرکے دیکھئے یہ رائٹ ہے یا رانگ ہے

دفعہ ۵۰۲ کسی کو فوراً کالعدم کر دیجئے
کتنی ہے توہین اس میں عاشقوں کی دیکھئے

راہ میں محبوب کو ہے چھیڑ لینا کیا بُرا
چھیڑ گویا نام ہے اک حسرتِ ناکام کا

چھیڑ غالب نے کہا ہے حسرتِ شامِ وصال
وصل جب ہوتا نہیں تو لیجئے حسرت نکال

کالجوں میں عام ہو طلبا میں رسمِ عاشقی
حیثیت اس کی رہے کمپلسری سبجکٹ کی

طالبانِ علم درسِ عاشقی میں طاق ہوں
ملک میں سارے فقط عشّاق ہی عشّاق ہوں

عزت و عظمت میں ان کو دیجیے جائز مقام
نام پر عشّاق کے رکھ لیجیے سڑکوں کے نام

جیسے شیریں پارک، مجنوں روڈ، لیلیٰ اسٹریٹ
ہیر رانجھ مارگ، رومیو کراس، جولیٹ مارکیٹ

ملک چاہے بھوک اور غربت کے دورا ہے پہ ہو
ایک اسٹیچو ہر اک عاشق کا چورا ہے پہ ہو

ان کا مستقبل درخشاں اور تابندہ بھی ہو
پارلیمنٹ میں عاشقوں کا اک نمائندہ بھی ہو

دُور آبادی سے ان کا ایک خطّہ چاہیے
بلکہ ان کی اک ریاست ہی علٰحدہ چاہیے

زخمِ دل کے واسطے مرہم بھی ہونا چاہیے
عاشقوں کا اپنا اک پرچم بھی ہونا چاہیے

آؤ اک نعرہ لگائیں عاشقانِ نامراد
اے محبّت زندہ باد، اے عاشقی پائندہ باد

•

آیا ہے نیا سال ۱۹۷۳ء

پھر جھومتا گاتا ہوا آیا ہے نیا سال
پھر دھوم مچاتا ہوا آیا ہے نیا سال
کیبن کو اور اسٹیشنوں کو آگ لگاتا
انساں کو جلاتا ہوا آیا ہے نیا سال

جھگڑا تو پرانا ہے مگر رنگ نیا ہے
آپس میں لڑاتا ہوا آیا ہے نیا سال
لاٹھی کہیں چلتی ہے کہیں گولی برستی
پھر خون بہاتا ہوا آیا ہے نیا سال
ہڑتالوں کا جلسوں کا جلوسوں کا ہے موسم
جنتا کو نچاتا ہوا آیا ہے نیا سال

"کی ہم نے ترقّی ہے ابھی اور کریں گے"
یہ شور مچاتا ہوا آیا ہے نیا سال
اب غربت و افلاس میں بھی ہو گی ترقّی
مہنگائی بڑھاتا ہوا آیا ہے نیا سال

چوٹی یہ ہمالہ کی ہے اجناس کی قیمت
یوں دام بڑھاتا ہوا آیا ہے نیا سال
غلّہ نہیں ملتا کہیں شکّر نہیں ملتی
اجناس چھپاتا ہوا آیا ہے نیا سال

بھوکا تھا برس بھر کا سمجھ کر اسے روٹی
سورج کو چباتا ہوا آیا ہے نیا سال
فاقہ کشو افلاس و گرانی ہو مبارک
یہ راگنی گاتا ہوا آیا ہے نیا سال

اب خیر مناتے ہیں نشیمن کی عنادل
پھر برق گراتا ہوا آیا ہے نیا سال

بیوی نامہ

بیوی ہے ساز جس کے کہ نغمے ہزار ہیں
بیوی چمن ہے اور نظارے ہزار ہیں
بیوی کے رنگ روپ ہیں جلوے ہزار ہیں
بیوی اگرچہ ایک ہے نخرے ہزار ہیں
بیوی کے سب جہان میں نقش و نگار ہیں
بیوی نہ ہو تو کوڑی کے پھر چار چار ہیں

پکچر کو جا رہی ہیں سو ہیں وہ بھی بیویاں
لکچر پلا رہی ہیں سو ہیں وہ بھی بیویاں
فتنے جگا رہی ہیں سو ہیں وہ بھی بیویاں
اور گھر چلا رہی ہیں سو ہیں وہ بھی بیویاں
بیوی کے سب جہان میں نقش و نگار ہیں
بیوی نہ ہو تو کوڑی کے پھر چار چار ہیں

شوہر سے لڑ رہی ہیں سو ہیں وہ بھی بیویاں
ہر دم جھگڑ رہی ہیں سو ہیں وہ بھی بیویاں
بن کر بگڑ رہی ہیں سو ہیں وہ بھی بیویاں
تن کر اکڑ رہی ہیں سو ہیں وہ بھی بیویاں

بیوی کے سب جہان میں نقش و نگار ہیں
بیوی نہ ہو تو کوڑی کے پھر چار چار ہیں

لیکر اکیلی جان اک آتی ہیں بیویاں
پھر رفتہ رفتہ بستی بساتی ہیں بیویاں
آبادی اس طرح سے بڑھاتی ہیں بیویاں
چھٹی کا دودھ یاد دلاتی ہیں بیویاں

بیوی کے سب جہان میں نقش و نگار ہیں
بیوی نہ ہو تو کوڑی کے پھر چار چار ہیں

دبلی بھی بیویاں ہیں تو موٹی بھی بیویاں
گوری بھی اور کالی کلوٹی بھی بیویاں
لانبی ہیں قد میں اور ہیں چھوٹی بھی بیویاں
فطرت میں چند ہوتی ہیں کھوٹی بھی بیویاں

بیوی کے سب جہاں میں نقش و نگار ہیں
بیوی نہ ہو تو کوڑی کے پھر چار چار ہیں

لیتی ہیں گن کے پیسوں میں تنخواہ کا حساب
کرتی ہیں وہ سوال کہ جن کا نہیں جواب
نظروں میں سرکشی ہے تو ذہنوں میں انقلاب
فرمائشوں کے ذکر پہ کھاتی ہیں پیچ و تاب

بیوی کے سب جہاں میں نقش و نگار ہیں
بیوی نہ ہو تو کوڑی کے پھر چار چار ہیں

فریادِ ظلم و جور و ستم کرتی رہتی ہیں
اظہارِ رنج و درد و الم کرتی رہتی ہیں
یوں شوہروں پہ لطف و کرم کرتی رہتی ہیں
فرمائشوں سے ناک میں دم کرتی رہتی ہیں

بیوی کے سب جہاں میں نقش و نگار ہیں
بیوی نہ ہو تو کوڑی کے پھر چار چار ہیں

کچھ بیویاں امیر ہیں کچھ بیویاں غریب
کچھ ان میں خوش نصیب ہیں کچھ ان میں بدنصیب
کچھ بیویاں ہیں اہلِ قلم شاعر و ادیب
آزادیٔ اناث کی کچھ بیویاں نقیب
بیوی کے سب جہاں میں نقش و نگار ہیں
بیوی نہ ہو تو کوڑی کے پھر چار چار ہیں

بیوی ہے جس کے پاس وہ مرد شریف ہے
بیوی شریکِ زیست ہے بیوی حلیف ہے
بیوی کے ساتھ زندگی شعرِ لطیف ہے
شوہر جو قافیہ ہے تو بیوی ردیف ہے

بیوی کے سب جہاں میں نقش و نگار ہیں
بیوی نہ ہو تو کوڑی کے پھر چار چار ہیں

بیوی بغیر مرد کی دنیا اداس ہے
بیوی جو ہے تو آس نہیں تو نراس ہے
بیوی بہو کسی کی تھی کل آج ساس ہے
پونم کا چاند کل تھی مگر آج اماس ہے

بیوی کے سب جہاں میں نقش و نگار ہیں
بیوی نہ ہو تو کوڑی کے پھر چار چار ہیں

بیوی کے ساتھ نعمتِ عظمیٰ ہے جَو کی نان
بیوی کے دم قدم سے ہے باقی گھروں کی شان
قائم ہے بیوی ہی سے گرہستی کی آن بان
بیوی بنا کرایہ کا ملتا نہیں مکان

بیوی کے سب جہان میں نقش و نگار ہیں
بیوی نہ ہو تو کوڑی کے پھر چار چار ہیں

مریضِ عشق

ایک لیڈی ڈاکٹر کے پاس اک شاعر گیا
اور زبانِ شاعری میں اس طرح گویا ہوا

میں مریضِ ہجر ہوں اور عشق کا بیمار ہوں
اب یہ حالت ہے کہ مرنے کے لئے تیار ہوں

اس پہ لیڈی ڈاکٹر نے کہا۔ "رک جایئے
پہلے اپنا نام اور پورا پتہ بتلایئے

امتحانی فیس دس روپے عنایت کیجیے
پھر بیاں تفصیل سے اپنی شکایت کیجیے

اور پھر فرمائیے گا آپ کیا کرتے ہیں کام
ٹھیک سے بتلائیے پھر درد کا اپنے مقام

شاعرِ شیریں نوا نے مسکرا کر یوں کہا
"نام ہم گمنام لوگوں کا کوئی ہوتا ہے کیا؟

اپنا کوئی اک ٹھکانہ ہو تو بتلا بھی سکیں
کوئی جنگل کوئی صحرا ہم جہاں چاہیں رہیں

کوئی مے خانہ کوئی بت خانہ کوئی خانقاہ
کوئے جاناں میں بھی آتے ہیں نظر ہم گاہ گاہ

آج کل تو ہوٹلیں بھی ہیں ہمارا اک مقام
پھر بھی اک جا مستقل ہوتا نہیں اپنا قیام

مندر و مسجد سے ہم کو کچھ نہیں ہے واسطہ
یوں پتہ لکھنا ضروری ہو تو لکھ لو "لاپتہ"

کام کے بارے میں جو پوچھا ہے مجھ سے آپ نے
غالباً حالاتِ شعرا کچھ نہ جانے آپ نے

میرا پیشہ شاعری بیروزگاری مفلسی
قلتِ زر، کثرتِ اولاد اور فاقہ کشی

آپ نے تکلیف پوچھی ہے تو کیا بتلاؤں میں
شاعری کا "روگ" کیسے آپ کو سمجھاؤں میں

نیند آتی ہی نہیں ہے رات ساری لمحہ بھر
رات ہوتی ہے مری اختر شماری میں بسر

سر میں چکر، پاؤں میں چھالے بدن پہ آبلے
لب پہ آہیں قلبِ سوزاں، اور آنکھوں میں گڑھے

انتہائے لاغری سے جب نہیں آتا نظر
لوگ مجھ کو ڈھونڈنے لگتے ہیں بستر جھاڑ کر

ہے زحل میرا ستارہ کشتۂ مریخ ہوں
کروٹیں شب بھر بدلتا ہوں کبابِ سیخ ہوں

مختصر یہ مشغلہ اپنا فجور و فسق ہے
سیکڑوں امراض کا تنہا مرض اک عشق ہے
چند اشکوں، چند آہوں، چند نالوں کے سوا
شاعر نادار دے گا امتحانی فیس کیا
فیس لینا ہی ضروری ہے تو یہ لے لیجئے
پیش خدمت دس قصیدے ہیں، بارہ مرثیے
اور بھی کچھ چاہیے تو پیش ہے تازہ غزل
جس کو پڑھ کر کھل اٹھے گا آپ کے دل کا کنول"
سُن کے یہ تفصیل لیڈی ڈاکٹر گھبرا گئی
اور کمپونڈر کو اپنے زور سے آواز دی
لے کے فوراً جاؤ اس پیشنٹ کو جلدی کرو
یہ ہے مِنٹل کیس" مِنٹل ہاسپٹل کو بھیج دو Mental case

دھوبی کی درخواست اقتدار کے نام

دھوبی نے محکمے میں درخواست دی ہے آج
میرا گدھا جو مر گیا، تھا خادمِ سماج

محنت میں بے مثال، مشقت میں فرد تھا
سینے میں اس کے سارے زمانے کا درد تھا

شانوں پہ اس کے خلق کی خدمت کا بوجھ تھا
سر پر برادری کی قیادت کا بوجھ تھا

بی-اے نہ ایم-اے۔ بے چارہ میٹرک بھی فیل تھا
لیڈر جو بن گیا تھا تو قسمت کا کھیل تھا

اوڑھے ہوئے جنوں پہ خرد کا لبادہ تھا
نااہل عہدہ دار کی مانند سادہ تھا

گلشن کی ناشگفتہ کلی سے پریم تھا
اک یونیورسٹی کی گدھی سے پریم تھا

جانِ حمار نے وہ دیا اس کو داغ، آہ
بوڑھے کسی کروڑپتی سے کیا بیاہ

عشق و فراق و ہجر کا مارا ہی رہ گیا
بے چارہ ساری عمر کنوارا ہی رہ گیا

خوش دل تھا، خوش جمال تھا اور باتمیز تھا
خاتون ورکروں میں وہ ہر دلعزیز تھا

شعر و سخن میں مشق و ریاضت بھی کرتا تھا
اکثر مشاعروں کی صدارت بھی کرتا تھا

المختصر گدھا نہ تھا اک مردِ نیک تھا
اس سے زیادہ کیا کہوں لاکھوں میں ایک تھا

امید تھی کہ آئے گا وہ انتخاب میں
رہنے لگا تھا مست وزارت کے خواب میں

چکر میں آگیا تھا وہ سترّ ہزار کے
بیمار ہو گیا تھا الیکشن میں ہار کے

داغِ شکست دل سے ہوا اس قدر نحیف
کرتل جوانی میں بھی نظر آتا تھا ضعیف
ٹکرا کے پچھلی ٹانگوں کو چلتا تھا یوں غریب
جیسے کسی مقام کا شاعر ہو یا ادیب
تقریر کرنے رات کو جلسے میں جو گیا
اسٹیج پر ہی ہارٹ معاً فیل ہو گیا
دارِ فنا سے دارِ بقا کوچ کر گیا
ناقدری زمانہ کے صدمے سے مر گیا
ہے خاکسار کی یہ گزارش جناب سے
اکرام و التفاتِ فضیلت مآب سے
اسکیم ایک پاس اسی سال کیجیے
تعمیر اس کے نام سے اک ہال کیجیے
اک گارڈن بھی نام سے اس کے بنائیے
اس گارڈن میں صرف گدھوں کو چرائیے

نیا سال مبارک سنہ ۱۹۷۳ء

افلاس ہے غربت ہے نیا سال مبارک
اجناس کی قلّت ہے نیا سال مبارک

کرسی تو سلامت ہے نیا سال مبارک
باقی تو وزارت ہے نیا سال مبارک

اک سمت میں ہے قحط تو اک سمت میں سیلاب
قدرت کی عنایت ہے نیا سال مبارک

کیوں چیختے ہو روٹی کو کپڑے کو مکاں کو
کیا اس کی ضرورت ہے نیا سال مبارک

کیوں بھوک سے فاقے سے مرے جاتے ہو لوگو
یہ وقتِ قناعت ہے، نیا سال مبارک

پچیس برس سے تھی فقط غلّے کی قلّت
اب پانی کی قلّت ہے نیا سال مبارک

تقدیر میں جنتا کی لکھی روزِ ازل سے
ذلّت ہے جہالت ہے نیا سال مبارک

شکر نہیں ملتی نہ ملے فکر ہی کیا ہے
اب زہر بھی امرت ہے نیا سال مبارک

یہ روز کی ستیہ گرہ یہ نت نئی مانگیں
جنتا کی شرارت ہے نیا سال مبارک

لاٹھی کہیں چلتی ہے کہیں گولی برستی
سرکار کی رحمت ہے نیا سال مبارک

کچھ صبر و قناعت بھی تو درکار ہے لوگو
جو مل گیا نعمت ہے نیا سال مبارک

کل برق سے کہتا تھا یہ رستے میں نجومی
قسمت میں وزارت ہے نیا سال مبارک

•

بغیر انجن کی ریل گاڑی

ایک خبر (مال گاڑی (گڈس ٹرین) کے تیس ڈبے ایک اسٹیشن سے بغیر

انجن کے چل پڑے اور دو اسٹیشن پار کرنے کے بعد تیسرے

اسٹیشن پر روکے جا سکے۔ اس واقعہ سے متاثر ہو کر ذیل کی نظم کہی گئی ہے)

•

مرحبا اے ریل گاڑی، مرحبا، صد مرحبا
توڑ کر زنجیرِ انجن تو نے ثابت کر دیا

اس طرح آزاد ہوتے ہیں غلامانِ کہن
جانبِ منزل رواں، باندھے ہوئے سر سے کفن

تیس ڈبے گڈس کے نکلے ہیں انجن کے بغیر
گردنیں بے طوق جن کی، اور بے زنجیر پیر

یوں نظر آیا ہمیں ان تیس ڈبوں کا یہ عزم
شاعرانِ ریلوے کی ہے یہ اک آزاد نظم

وفادار شوہر

ننگا بھوکا بھی نہیں مفلس و نادار نہیں
دوست احباب سے کچھ اس کو سروکار نہیں
یعنی بیوی کے سوا اور کوئی درکار نہیں
اور دنیا میں کسی شے سے اُسے پیار نہیں

بد مزاجی سے کبھی بیوی کی بیزار نہیں
پھر بھی بیوی کو گلہ ہے کہ وفادار نہیں

سائلوں کی طرح تسلیم میں مشہور ہے وہ
قصۂ زیست سناتا ہے تو معذور ہے وہ
یوں تو شکوے سے شکایت سے بہت دور ہے وہ
لب پہ آجاتی ہے فریاد تو مجبور ہے وہ

نالۂ درد نہیں شکوۂ آزار نہیں
پھر بھی بیوی کو گلا ہے کہ وفادار نہیں

پہلی تاریخ کو تنخواہ جھپٹ لیتی ہے
کبھی کنگن کبھی نکلیس بنا لیتی ہے
میکے والوں کو کبھی اپنے بلا لیتی ہے
جی میں جو آتا ہے من مانی چلا لیتی ہے

اور ان باتوں سے شوہر کو سروکار نہیں
پھر بھی بیوی کو گلہ ہے کہ وفادار نہیں

دوست اپنا کوئی آئے تو چلا دیتا ہے
نقش گزرے ہوئے لمحوں کا مٹا دیتا ہے
اپنے ارمانوں کو بیوی پہ لٹا دیتا ہے
اس کو ہر ماہ نئی ساڑیاں لا دیتا ہے

خود پھٹے کپڑے پہننے میں اسے عار نہیں
پھر بھی بیوی کو گلہ ہے کہ وفادار نہیں

چائے کی پان کی سگریٹ کی عادت بھی نہیں
کھانا کھانے کے سوا اور کوئی لت بھی نہیں
نوکری کے سوا اس کو کوئی علت بھی نہیں
سوٹے پانی سے گھڑی بھر کوئی فرصت بھی نہیں

ایک لمحہ کے لئے بیٹھتا بے کار نہیں
پھر بھی بیوی کو گلہ ہے کہ وفادار نہیں

راہ چلتے ہوئے بچوں کو اٹھا لیتا ہے
سینما جاتی ہے تو ان کو سلا لیتا ہے
صبح اٹھتے ہی وہ چولھا بھی جلا لیتا ہے
کپڑے دھوتا ہے وہ کھانا بھی پکا لیتا ہے

اس کو بیوی کے کسی حکم سے انکار نہیں
پھر بھی بیوی کو گلہ ہے کہ وفادار نہیں

بیوی بچوں کو کھلاتا ہے تو وہ کھاتا ہے
روز آفس کو بہت دیر سے وہ جاتا ہے
آفیسر ڈانٹ پلائے تو وہ پی جاتا ہے
سیدھے آفس سے نکلتے ہی وہ گھر آتا ہے

ایک پل کے لیے رکتا سرِ بازار نہیں
پھر بھی بیوی کو گلہ ہے کہ وفادار نہیں

جب شوہر کہتا ہے کہ دیکھو مری حالت کیا ہے
ایک نوکر تو رکھو پیسے کی قلت کیا ہے
بیوی کہتی ہے کہ بیگار کی حاجت کیا ہے
آپ زندہ ہیں تو نوکر کی ضرورت کیا ہے

سن کے چپ ہو جاتا ہے بیچارے کو صرا نہیں
پھر بھی بیوی کو گلہ ہے کہ وفادار نہیں

سامنے کس کے بیاں اپنی حکایت وہ کرے
کس سے فریاد کرے کس سے شکایت وہ کرے
لوگ بولیں گے ذرا صبر کی عادت وہ کرے
کئی مردوں کا ہے یہ حال قناعت وہ کرے

شوہروں کا کوئی دنیا میں طرفدار نہیں
بیویوں کو یہ گلہ ہے وفادار نہیں

شاعری

دورِ حاضر میں ہر انساں شعر کا ماہر بنے
یعنی ہر اک فرد کو اب چاہیئے شاعر بنے

کچھ دماغ و دل میں نظم و ضبط ہونا چاہیئے
یعنی سر میں شاعری کا خبط ہونا چاہیئے

مرد بننا چاہیئے اب شعر کے میداں کا
شاعری پیدائشی حق ہے ہر اک انسان کا

دل کا دریا نطق کی وادی میں بہنا چاہیئے
شاعری آئے نہ آئے شعر کہنا چاہیئے

نا امیدی اور مایوسی سے کچھ حاصل نہیں
جستجو کیجے تو کوئی کام بھی مشکل نہیں

شاعری پابند بھی ہے چھوڑ دینا چاہیے
سچ تو یہ ہے ٹانگ اس کی توڑ دینا چاہیے

شاعری کی قسم ہے اک اور جو آزاد ہے
چشم ما روشن ہے جس کے واسطے دل شاد ہے

دہر میں آزادی و جمہوریت کا دور ہے
شاعری کا دور گذرا شعریت کا دور ہے

گر وضاحت چاہتے ہو شعریت سے ہے مراد
ذہن میں جولانیاں ہو طبع میں ہو اجتہاد

آدمی کے ذہن و فکر و دل میں جو آئے خیال
بس اسی سے آدمی ہے شاعرِ شیریں مقال

یہ نہیں ممکن تو فلمی شاعری فرمائیے
یہ بھی مشکل ہے تو دکنی شاعری فرمائیے

بوجھ شانوں پہ جو پڑ جائے اٹھانا چاہیے
کچھ نہ ہو تو شعر ریڈی میڈ لانا چاہیے

شاعری اب بک رہی ہے اس طرح بازار میں
جیسے دختِ رز برہنہ بک رہی ہو بار میں

کوششیں جتنی ہیں حسبِ حال کرکے دیکھیے
جتنی ترکیبیں ہیں استعمال کرکے دیکھیے

غالب و اقبال کی تربت پہ دیجے حاضری
کہتے ہیں اس سے بھی آجاتی ہے کچھ کچھ شاعری

کچھ ھنّا اور شاد سے تعویذ گنڈے لائیے
نجم و حیرت سے فلیتے لے کے کچھ جلوائیے

کچھ ریاضت کیجیے اور کچھ دعائیں مانگیے
اور اک آسن جما کر خود کو الٹے ٹانگیے

لاکھ باتوں کی ہے میری بات اک مانو حضور
کچھ بنو یا مت بنو، شاعر تو بن جاؤ ضرور

مریضِ قلب

اک قلب کا مریض گیا ڈاکٹر کے پاس
کہنے لگا بہ صد غم و اندوہ و رنج و یاس
کمزور ہو گیا ہے مرا قلب اس قدر
بیوی کا غصّہ سہہ نہیں سکتا ہے لمحہ بھر
بِنٹے کو دیکھ کر جو اچھلتا ہے زور سے
ڈرتا ہوں میں پتنگ نہ کٹ جائے ڈور سے
جاتا ہوں جب میں افسرِ دفتر کے سامنے
سینے پہ ہاتھ رکھ لیتا ہوں دل کو تھامنے
کوئی حسین شکل گزرتی ہے راہ سے
اک زخم دل پہ لگتا ہے تیرِ نگاہ سے

دوکاں پہ راشننگ کی جاتا ہوں جب کبھی
دل بلّیوں اچھلتا ہے اور نبض ڈوبتی
ہر ظرفِ پوخت گھر کا ہے اوندھا پڑا ہوا
دل کا سفینہ لگتا ہے کچھ ڈوبتا ہوا

میرے نحیف دل کا کچھ ایسا علاج ہو
بیوی کا ڈر نہ بنئے کا کچھ اس کو خوف ہو

بولا یہ ڈاکٹر کہ "نہ کچھ فکر کیجیے
بازار سے یہ فوری دوائیں خریدئیے

مجھکو معائنہ کی ادا کیجیے یہ فیس"
نسخہ و بل کو دیکھ کے دل کو لگی وہ ٹھیس

یکلخت اس مریض کا دل ہی ٹھہر گیا
دارِ فنا سے دارِ بقا کوچ کر گیا

رہیے اب ایسی جگہ ...

گیہوں چاول اور شکر کی دکاں کوئی نہ ہو
ہو اگر دوکان تو راشن کا نشاں کوئی نہ ہو

میہماں کوئی نہ ہو اور میزباں کوئی نہ ہو
رہیے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو
ہم سخن کوئی نہ ہو اور ہم زباں کوئی نہ ہو

کوئی پنجابی کوئی پشتو کوئی ہندی کہے ”
کوئی بنگالی کوئی تامل کوئی کنڑی کہے
کوئی گجراتی کوئی تلگو کوئی سندھی کہے
زندہ دل ہر شخص ہو سب کی سنے اپنی کہے
اپنی اپنی بولیاں ہوں اک زباں کوئی نہ ہو

سوکھی روٹی کا غمِ تازہ کھلایا چاہیے
شربتِ رنگینِ خونِ دل پلایا چاہیے
حسرتِ تعمیر سے اس کو سجایا چاہیے
بے در و دیوار سا اک گھر بنایا چاہیے
کوئی ہمسایہ نہ ہو اور پاسباں کوئی نہ ہو

اور اگر ہمسایہ کوئی ہو تو اک خاتون ہو
بانکپن میں ماہِ نو ہو عمر میں فلّ موُن ہو
علم میں سقراط ہو حکمت میں افلاطون ہو
حسن کی تازہ غزل ہو عشق کا مضمون ہو
لیکن اتنی شرط ہے اس کا میاں کوئی نہ ہو

دیکھنے کو یوں دواخانے نظر آئیں ہزار
ڈاکٹر بھی ماہر و قابل ہوں نرسیں طرحدار
ہاؤس سرجن وارڈ بوائے اور سوپر بے شمار
پڑیئے گر بیمار تو کوئی نہ ہو تیماردار
اور اگر مر جائیے تو نوحہ خواں کوئی نہ ہو

خفیہ گوداموں میں غلے کے ہوں تھیلے بیشمار
اور زباں پر قلتِ اجناس کی چیخ و پکار
کالے بازاروں میں ملتی ہو شکر چاول جوار
پیٹ خالی چہرے افسردہ ہوں آنکھیں اشکبار
پر زباں پر شکوہ و آہ و فغاں کوئی نہ ہو

راشننگ کے ایریا میں مختلف کچھ وارڈ ہوں
ان پہ نگرانی کے مقصد سے مقرر گارڈ ہوں
رولس یوں تو راشننگ کے ہارڈ سے بھی ہارڈ ہوں
پھر بھی اک اک آدمی کے پاس دس دس کارڈ ہوں
لیکن ایسے آدمی جن پہ گماں کوئی نہ ہو

لڑکے آرائش سے اپنی لڑکیاں معلوم ہوں
حسن و زیبائش سے رشکِ گلرخاں معلوم ہوں
لڑکیاں ہیئت سے مردِ نوجواں معلوم ہوں
اور جب تن کر چلیں تو پہلواں معلوم ہوں
ان کا جادہ ان کی منزل کا نشاں کوئی نہ ہو

بند دوکانیں ہوں شیشے ان کے ہوں ٹوٹے ہوئے
برقی کھمبے ٹوٹ کر سڑکوں پہ ہوں پھیلے ہوئے
کچھ بسیں جلتی ہوئیں بازار کچھ لوٹے ہوئے
اینٹ پتھر شیل آنسو گیس کے بکھرے ہوئے
دور تک اندیشۂ امن و اماں کوئی نہ ہو

کچھ نہ ملتا ہو جہاں سگریٹ ہو یا پان ہو
اور نہ میک اپ کا کسی دوکان میں سامان ہو
زندگی بے لطف ہو بے کیف ہو بے جان ہو
شہر جیسے جاگتے مردوں کا قبرستان ہو
بزمِ خوباں محفلِ زندہ دلاں کوئی نہ ہو

بھوک ہڑتال

کیمپ میں ہڑتال کے کل جمع کچھ افراد تھے
ہم شبیہِ قیس تھے ہم صورتِ فرہاد تھے

چند ان میں کھیلتے تھے تاش کے پتّوں کا کھیل
کچھ تو رمّی کھیلتے تھے، کچھ برج، اور کچھ پریل

یوں تو تھے موجود یارانِ طریقت بے شمار
چار ایسے تھے گلے میں جن کے تھے پھولوں کے ہار

پوچھنے پر یہ بتایا، بھوک ہڑتالی ہیں وہ چار
جان دیں گے پر نہ کھائیں گے وہ کھانا زینہار

یوں نظر آیا کہ جیسے چار وہ درویش تھے
ہاں مگر سب بے مروت اور سب کے سب بے ریش تھے

عزم اُن کے ایسے راسخ حوصلے اتنے جواں
اتنے فاقوں پر نظر آتے نہ تھے وہ ناتواں

تیس دن کی بھوک پر کوئی افسردہ نہ تھا
صورتوں پر تازگی تھی، کوئی پژمردہ نہ تھا

دو بجے دن کے اچانک اُٹھ گئے وہ چار یار
اور دیگر چار کو پہنا دیئے پھولوں کے ہار

اُٹھ کے چاروں دوست اک جانب روانہ ہو گئے
عقبی حصے میں وہ جا کر جانے کس جا کھو گئے

میں نے آہستہ سے پوچھا یہ گئے چاروں کہاں
تو بتایا ایک صاحب نے بہ طورِ رازداں

دوپہر کا کھانا کھا کر واپس آ جائیں گے وہ
آ کے پھر سے جاری بھوک ہڑتال فرمائیں گے وہ

دمدار ستارہ

شب کو دمدار ستارہ جو نظر آیا
تو یہ پوچھا میں نے
"بھائی اب کس کے لئے آتے ہو ادھر ——؟
تاجداروں کا زمانہ تو گیا
اب بناؤ گے نوالہ کس کو ——؟"
تو یہ دمدار ستارے نے کہا۔
بصد اندوہ و ملال
ہائے وہ ماضی کے لڈو پیڑے
خالص گھی کے
اب کہاں ملتے ہیں کھانے کو مجھے

اب تو بس تیل سے بنتی ہے مٹھائی ہر اک
یا زیادہ سے زیادہ
ڈالڈا سے کوئی شے بن بھی گئی
تو ہے ملاوٹ اس میں
یعنی لیڈر ہیں منسٹر ہیں
کہیں تاجر ہیں
اور ذخیرہ اندوز ـــــــــ
تر نوالے تو بہت کھائے ہیں میں نے اب تک
کچھ مزہ منہ کا بدلنے کے لئے
دل نے چاہا ہے
ذرا دال کرڑی بھی چکھ لوں
یعنی اک شاعرِ نادار کا سوکھا لقمہ
کھا کے دیکھوں کہ مزہ کیسا ہے''
اتنا سنتے ہی مرا دل دھڑکا
اتنا دھڑکا

کہ میں دوڑا گھر میں
تو اک آواز آئی
"اتنا ڈرنے کی ضرورت کیا ہے
آئینہ میں صورت دیکھو
اور کہو
تم بھی کوئی شاعر ہو ـــــ؟"

•

غزلیات

○

جوش پر جب شباب آتا ہے
دل مچلتا ہے سر کھجاتا ہے

میہمانوں کا اب یہ عالم ہے
ایک جاتا ہے ایک آتا ہے

پہلے آتا تھا لطف پڑھنے میں
اب تو ہڑتال ہی میں آتا ہے

بادہ کش شیخ کو پلاتے تھے
شیخ رندوں کو اب پلاتا ہے

جب وہ شاپنگ کو نکلتے ہیں
ہر دکاں دار بلبلاتا ہے

برقؔ کا نام سن کے وہ بولے
آشیانے میں سر چھپاتا ہے

آپ پر جس کی نوازش ہو گئی
زندگی میں اس کی پرسش ہو گئی
بھیگتا آیا ہوں تیری بزم میں
کیا کروں رستے میں بارش ہو گئی
اہلِ دانش مفلس و قلاش ہیں
جہل اور دولت میں سازش ہو گئی
اک طرف روزی کا دروازہ کھلا
اک طرف جوتے کو پالش ہو گئی
آپ رستوراں میں جوں ہی مل گئے
سر سے پا تک اپنی مالش ہو گئی
جیب اپنی جب سے خالی ہو گئی
اپنی ہر اک بات "فولش" ہو گئی
راج برٹش کا مٹا دینے کے بعد
اب سیاست خود ہی برٹش ہو گئی
اے مسیحا کوئی مرہم دیجیے
برق صاحب کو بھی خارش ہو گئی

گجل (فرنگی غزل)

۱ mistake جس کا سر میں تھوڑا مسٹک ہو گیا
۲ عاشق وہ بچارہ تم پہ عاشک ہو گیا
ایک دن دورانِ پکنک ہو گیا
۳ Automatic عشک ان سے آٹومیٹک ہو گیا

ساتھ ان کے زو[۴] کو جانا تھا مجھے Zoo
۵ سِک ایک دن آفس سے میں سک ہو گیا

شہر میں چرچا ہے میرے عشک کا
۶ Topic ٹاپک عشک میرا تازہ ٹاپک ہو گیا
آج نکشہ الٹا ہے اک شاپ  کا
کل جو نوکر تھا وہ مالک ہو گیا

عشک کی میرے اڑا دیں دھجیاں
اُن کا گُسّہ[۹] بم اٹامک[۱۰] ہو گیا
کل مرے آفس میں تھا سکریٹری
آج میرے دل کا مالک ہو گیا
آپ کی نجروں[۱۱] کا دیجے پنسلین[۱۲]
زکھمِ[۱۳] دل میں میرے سپٹک[۱۴] ہو گیا
جانِ جسمِ ناتواں میں آ گئی
اُن کا آنا جیسے ٹانک[۱۵] ہو گیا
دل کو میرے دیکھ کر کہنے لگے
یہ تو ناکارہ ہے "رسٹک"[۱۶] ہو گیا
اک فرنگی مہہ جبیں نے یہ کہا
تم تو اب پاگل کا مافک ہو گیا
بن گیا کھونِ[۱۷] جگر سے نیل پینٹ[۱۸]
کھونِ دل میرا لپ اسٹک[۱۹] ہو گیا
حادثے تازہ بہ تازہ لیجیے
کیوں کہ سگنل آٹومیٹک ہو گیا
برک[۲۰] سے اک ڈاکٹر نے کہہ دیا
عشک تیرا اب کرانک[۲۱] ہو گیا

۹ غصّہ
۱۰ Atomic
۱۱ نظروں
۱۳ زخم
۱۴ Septic
۱۵ Tonic
۱۶ Rustic
۱۷ خون
۱۸ Nail paint
۱۹ Lip stic
۲۰ برق
۲۱ Chronic

الطاف و عنایت ہے مگر ایک بٹہ چار
اخلاص و محبّت ہے مگر ایک بٹہ چار

صورت پہ ملاحت ہے مگر ایک بٹہ چار
حوروں کی شباہت ہے مگر ایک بٹہ چار

لکچر میں حلاوت ہے مگر ایک بٹہ چار
لہجے میں صداقت ہے مگر ایک بٹہ چار

اقرار کی اُمید تو ان سے نہیں لیکن
انکار میں لذّت ہے مگر ایک بٹہ چار

مہنگائی کے بھتّے میں اضافہ تو ہوا ہے
تنخواہ میں برکت ہے مگر ایک بٹہ چار

بیمارِ محبت کو جو دیکھا تو یہ بولے
بچنے کی تو صورت ہے مگر ایک بٹہ چار

رکھنے کو تو رکھتے ہیں سند بی اے کی لیکن
صاحب کی لیاقت ہے مگر ایک بٹہ چار

مانا کہ انہیں مجھ سے محبت تو نہیں ہے
البتہ مروت ہے مگر ایک بٹہ چار

کچھ وضع کے پابند ابھی لوگ ہیں باقی
دنیا میں شرافت ہے مگر ایک بٹہ چار

پوچھا کہ میں آسکتا ہوں محفل میں تمہاری
بولے کہ اجازت ہے مگر ایک بٹہ چار

جب برق سے پوچھا کہ ہے شعر و ادب کیا؟
بولے کہ حجامت ہے مگر ایک بٹہ چار

○

اس دور میں تو مس کسی مسٹر سے کم نہیں
بیوی بھی اس زمانے کی شوہر سے کم نہیں

چاقو دکھا کے پاس ہوا ہے یہ نوجواں
عہدہ اسے قبول منسٹر سے کم نہیں

پہلی نظر میں جیب کی شیونگ ہو گئی
آنکھیں تمہاری سیفٹی ریزر سے کم نہیں

ہر بات میں فریب ہے ہر بحث لوچدار
لیڈر سے کم نہیں وہ پلیڈر سے کم نہیں

رہنے بھی دیجیئے گا پڑا آستان پر
یہ برق آپ کا کسی پتھر سے کم نہیں

صورت جو صبح صبح تمہاری دکھائی دے
پھر شام تک کسی کو نہ روٹی دکھائی دے

میک اپ بغیر دن میں جو نانی دکھائی دے
میک اپ سے رات کو وہ نواسی دکھائی دے

گھر کی جو مرغی ہے وہ نظر آئے ان کو دال
باہر کی دال بھی انہیں مرغی دکھائی دے

پہچاننا لباس سے مشکل ہے آج کل
اب چور بھی لباس سے قاضی دکھائی دے

ہر چکنی چپڑی بات پہ سچ کا گمان ہے
جیسے زمین گول ہے چپٹی دکھائی دے

اے برق ایک پل میں غریبی ہٹاتے ہم
لیکن سوال یہ ہے غریبی دکھائی دے

میک اپ میں ہے کمال اثر ہے خضاب میں
چالیس سال میں بھی ہیں عہدِ شباب میں

لکھا ہے میں نے قرض دو سو روپے مگر
میں جانتا ہوں جو وہ لکھیں گے جواب میں

دیکھا جو اُن کا چہرہ تو میں ڈر کے جاگ اٹھا
آنے کا عہد کر گئے آئے جو خواب میں

لیلیٰ نہیں تھی ساتھ وہ لیلیٰ کا بھائی تھا
ڈالا ہے تم کو وہم نے کس پیچ و تاب میں

کوشش سے ہو سکے نہ سیہ، گیسوئے سفید
تاجر نے کچھ ملا نہ دیا ہو خضاب میں

صد حیف میں نے دے دیا غفلت میں دس کا نوٹ
جاں نذر دینی بھول گیا اضطراب میں

گھوڑا پٹک نہ دے کہیں جا کی کو راہ میں
نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں

گلتی نہیں ہے بزم میں رستم کی دال بھی
حیران ہوں کہ برق ہے پھر کس حساب میں

نہیں جانِ حزیں کو کوئی دھوکا بیل گاڑی میں
نہ کوئی حادثے کا ہم کو خدشہ بیل گاڑی میں

یہاں کوئی بڑا ہے اور نہ چھوٹا بیل گاڑی میں
نہیں فرسٹ اور سکنڈ کا کوئی ڈبہ بیل گاڑی میں

ہوا پٹرول مہنگا اب نہ موٹر ہے نہ اسکوٹر
سفر کرنے لگے گی ساری دنیا بیل گاڑی میں

سنا جاتا ہے ارضِ ہند کی سیر و سیاحت کو
فلک سے بیٹھ کر آیا فرشتہ بیل گاڑی میں

مجھے قسمت پہ گاڑی بان کے اُس وقت رشک آیا
بصد انداز جب وہ آ کے بیٹھا بیل گاڑی میں

ہم اپنے ملک کی صنعت کی بے حد قدر کرتے ہیں
سفر بھی چاند پر ہوگا ہمارا بیل گاڑی میں

چلے آؤ ہمارے ساتھ تم بھی بیٹھ کر دیکھو
ہے دو بیلوں کی جوڑی کا تماشہ بیل گاڑی میں

زمانہ یہ سمجھ بیٹھا کہ شائد زلزلہ آیا
مرا محبوب جب بن ٹھن کے نکلا بیل گاڑی میں

نہیں معلوم کیسے قافلہ منزل کو پہنچے گا
کہ نیتا ریل گاڑی میں ہے جنتا بیل گاڑی میں

ابھی کچھ اور صدیاں انتظار اس کا کرو یارو
کہ سوشیل ازم آہستہ ہے آتا بیل گاڑی میں

غزل اے برق پوری بیل گاڑی کا نمونہ ہے
کہ ہر اک شعر اس کا آکے بیٹھا بیل گاڑی میں

●

(کسی ماہ نامے میں ایک غزل شائع ہوئی جس کی ردیف تھی "کرسیاں" اور قافیہ تھا "بتائی" "اٹھائی" "سنبھالی" وغیرہ جو زبان کے اعتبار سے غلط تھا۔ ہمیں مذاق سوجھا تو ہم نے اسی ردیف میں قافیہ کی صحت کے ساتھ غزل کہہ ڈالی)

پہلے لاکر ایک کمرے میں سجالیں کرسیاں
فصلِ گل آئی تو پھر ہم نے اچھالیں کرسیاں

ایک مردِ مجتہد نے جب چبایا چاند کو
من چلوں نے جوش میں آکر چبالیں کرسیاں

لکڑیاں گھر میں جلانے کو نہیں تھیں اس لئے
اہلیہ نے آکے غصے میں جلالیں کرسیاں

یوں کسی نے لاڈ سے اولاد کو پالا نہیں
جس قدر محنت اٹھا کر ہم نے پالیں کرسیاں

شہر میں تھا اک ایجی ٹیشن، فساد اور لوٹ مار
موقع پا کر ہم نے اک گھر سے اٹھا لیں کرسیاں

کچھ نہ تھا صحرا میں لیلیٰ کو بٹھانے کے لئے
ریت کے ٹیلوں کی مجنوں نے بنا لیں کرسیاں

مختصر عہدِ وزارت سے اٹھایا فائدہ
دوست احباب و اعزّہ کو دلا لیں کرسیاں

برق جن جن کرسیوں پر آ کے وہ بیٹھا کئے
ہم نے چن چن کر وہ سینے سے لگا لیں کرسیاں

"کرسیاں" کی ردیف میں غزل کہنے کے بعد خیال آیا
کہ اگر ردیف "جوتیاں" ہوتی تو کچھ رومانی اور کچھ مسائلی شعر
کہے جا سکتے تھے چنانچہ موخر الذکر ردیف میں ہم نے ایک
غزل کہہ ڈالی)

پہلے محبوبہ کی اس نے دیکھیں بھالیں جوتیاں
ان پہ پیار آیا تو عاشق نے اٹھالیں جوتیاں

زندگی میں ایک دن ہم بھی گئے پڑھنے نماز
چور نے آکر ہماری ہی چرالیں جوتیاں

جب ہوئی محمل میں آکر ناز سے لیلیٰ سوار
دفعتہً مجنوں نے لیلیٰ کی اٹھالیں جوتیاں

بعد مرنے کے ہوئی ہے زندگی عاشق کی چیز
کھال سے محبوب نے اس کی بنا لیں جوتیاں

دیر سے جس مسئلے پر بحث تھی طے پا گیا
پارلیمنٹ میں ممبروں نے جب اچھالیں جوتیاں

شیخ صاحب کا جو نمبر آ گیا تقریر کا
حاضرینِ بزم نے اپنی سنبھالیں جوتیاں

ننگے پاؤں آ رہے ہیں پھر وہ بزم وعظ سے
برقؔ صاحب کی کسی نے پھر چرا لیں جوتیاں

قطعات

جونیر کو ترقی دے دیتا
ویسے بدنامی، بدنمائی ہے

کیا کروں میں ہوں افسر اعلیٰ
جونیر اہلیہ کا بھائی ہے

•

استادی گانے گا کے جو کرتے ہیں ہم کو بور
مرنے کے بعد اس کی سزا ایسی پائیں گے

روزِ قیامت ان کو گرز مار مار کر
خود اُن کے گانے ان کو ہی سنوائے جائیں گے

ضیاء نجومِ کہن سال میں نئی ہے آج
تو چرخِ پیر کے چہرے پہ تازگی ہے آج

جہانِ کہنہ پہ چھائی ہوئی خوشی ہے آج
ترے شباب کی ڈائمنڈ جوبلی ہے آج

•

جب میں کنوارا تھا تو پریشان تھا بہت
احباب طعنہ دیتے تھے شوہر نہیں ہوں میں

شادی ہوئی تو میں نے اکڑ کر یہ کہہ دیا
وہ دن گئے کہ کہتے تھے نوکر نہیں ہوں میں

قینچی اتار دی کبھی بیلن اتار دی
ماڈرن آرٹسٹ نے عورت کے نام سے

حوریں ملیں گی اوروں کو جنت میں پر اسے
پنکھڑی ملے گی پھول کی جنت کے نام سے

●

دلہا کو پیش کر چکے دلہن کے والدین
نقدی، مکان، ریڈیو، موٹر جہیز میں

دلہا کے باپ نے یہ کیا ہے مطالبہ
پچیس کیلو دیجیے شکر جہیز میں

آئے دن بس کے کرایہ میں اضافہ یارب
آنکھ بھر آتی ہے جب بس کا ٹکٹ لیتے ہیں

اس لئے مارتے ہیں ڈنڈی مسافر اکثر
تیس پیسے کی جگہ دس کا ٹکٹ لیتے ہیں

•

بدلتی جا رہی صنفِ نازک صنفِ لاغر میں
فزوں تر ہو رہا ہے ذوق، ضعف و ناتوانی کا

اگر امروز کی خاتون کو تم دیکھنا چاہو
لپیٹو بانس پر ٹرلین یا نائیلان کا کپڑا

زندگی قحط و گرانی کے سبب
بھوک اور فاقے کی عادی ہو گئی
اب کہاں بریانی لقمی اور کباب
چائے کی پیالی پہ شادی ہو گئی

•

شب کو بس اسٹانڈ پر اک نوجواں نے یہ کہا
صبح دم آیا تھا میں شب کا اندھیرا ہو گیا
ایک مرد پیر نے یہ سن کے فرمایا میاں۔
"میں جوانی میں یہاں آیا تھا بوڑھا ہو گیا"

سیکس ایجوکیشن شریکِ درس ہونا چاہیئے

لیکن اس میں احتیاط اس بات کی فرمائیے

جس قدر تعلیم ہو اسکول ہی میں دیجیے

ہوم ورک اس کا مگر بچوں سے مت کروائیے

•

بیزار زندگی سے اگر کوئی شخص ہے

اس کو نہ زہر دیجیے، نہ شاعر بنائیے

تعلیم یافتہ کسی خاتون کے ہاتھ کے

کھانے پکے ہوئے اسے دو دن کھلائیے

عورت کہ آج شانہ بہ شانہ ہے مرد کے
ہاتھوں میں اسکے آئی حکومت کی بھی زمام
پورا نہیں ہوا ابھی انصاف اسکے ساتھ
عورت نہیں ہے پوپ، پروہت یا پیش امام

اک نوجوان بیٹھ کے روتا تھا زار زار
کل سہ پہر کو سامنے اک اسپتال کے

میں نے ز راہِ خلق و مروت کہا اسے
"کیوں بیٹے بات کیا ہے؟ کیا والد گزر گئے؟"

غصے میں آکے بولا کہ "مرتے تو غم نہ تھا
روتا ہوں اس لئے کہ صحت یاب ہو گئے"